مغرب: خاندانی منصوبہ کا زبردست حامی کیوں ہے؟

خاندانی منصوبہ بندی کے اصل مقاصد

کیا کبھی یہ بھی ہوگا کہ سفید فام بچے بہت زیادہ ہوں،
اور روئے زمین اُن سے معمور ہو جائے؟
اور ایسا کب ہوگا کہ سفید فاموں کو بھی تحدید آبادی کی ضرورت پڑ جائے؟
کیا تب جب جہنم سرد پڑ جائے گی!!.....لسٹر ویلٹ ملٹن[۱]

خاندانی منصوبہ بندی پر اصرار کیوں؟

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کئی دہائیوں سے اس نظریے کی تشہیر کر رہا ہے کہ ''جدید خاندانی منصوبہ بندی'' لوگوں کے لیے فائدہ مند ہے۔ بچے تھوڑے ہوں تو مائیں صحت مند ہوں گی۔ چھوٹے کنبوں کا معیار زندگی بہتر ہوتا ہے۔ شرح آبادی سست رو ہوگی تو ترقیاتی عمل پائیدار ہوگا۔ انجام کار لوگ تھوڑے ہوں گے تو سیاسی لیڈروں کی سردردی بھی کم ہوگی..... کیا امریکی حکومت واقعی ان باتوں پر یقین رکھتی ہے؟ یہ صحیح ہے کہ صنعتی ممالک میں آمدنیاں بہت زیادہ ہیں بہ نسبت اُن کم ترقی یافتہ علاقوں کے جہاں شرح آبادی زیادہ ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ مغرب میں چھوٹے گھرانوں کو اعلیٰ تعلیم جیسی سہولتوں تک زیادہ رسائی حاصل ہے۔ لیکن یہ ''چھوٹا گھرانہ مساوی دولت'' ایسی ہی نسبت ہے جیسے یہ دلیل دینا کہ ''فحش نگاری زانی بالجبر بناتی ہے''۔ یہ بالکل ہوسکتا ہے کہ زانی دوسرے مجرم گروہوں کی بہ نسبت ایک قسم کے اعصابی مریض ہوں اور انھیں فحش تصویروں سے رغبت ہو، چناں چہ اُن کا یہ ''ادبی چسکہ'' محض ایک علامت ہو، سبب نہ ہو۔ بالکل اسی طرح یہ بھی صحیح ہوسکتا ہے کہ دولت [کی فراوانی] اور جس طرح کا رہن سہن اُس سے تقویت پاتا ہے، شمالی کرہ میں کم تولیدی کے اسباب ہوں، اُس کا نتیجہ نہ ہوں۔

ترقی کے دوران امریکی آبادی بڑھ رہی تھی:

دنیا میں امریکہ کی اونچی شرح آبادی:

عجیب بات ہے۔ ایک وقت تھا جب امریکہ بڑی حد تک دیہاتی معاشرہ تھا۔ ریفریجریٹر نہ تھے۔

گھرانوں کی ایک بڑی اکثریت کا شتکاری کرتی، فصل کاٹتی، اور سنبھالتی تھی، یا لوگ چھوٹے تاجر پیشہ تھے۔ایک عام کنبہ پانچ سے سات بچوں پر مشتمل ہوتا تھا۔اس صورت حال نے امریکہ کو ایک ''ترقی یافتہ'' ملک کے طور پر اُبھرنے اور عالمی طاقت بننے سے نہیں روکا، بلکہ جس دوران امریکہ طاقت کی سیڑھی پر چڑھ رہا تھا اُس دوران اس کی آبادی حیران کن شرح سے بڑھ رہی تھی۔۱۷۹۰ء اور ۱۸۴۰ء کے درمیان پچاس برسوں میں امریکی آبادی ۴ملین سے بڑھ کر اندازاً ۱۸ملین ہوئی۔ یہ تقریباً پانچ گنا اضافہ ہے۔تین دہائیاں بعد یعنی ۱۸۷۰ء میں یہ آبادی مزید دوگنی سے بھی زیادہ یعنی ۳۸ء۵ ملین تھی۔اگلے دس برسوں میں (۱۸۷۰ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان) ۳۷ فیصد اور اضافہ ہوا اور آبادی ۵۰ ملین سے زیادہ ہوگئی۔صدی اختتام کو پہنچی تو امریکی آبادی ۷۶ ملین تھی۔ یہ سو برسوں میں پندرہ گنا اضافہ ہے۔اس کے بعد ۱۹۰۰ء سے ۱۹۴۰ء کے درمیان چالیس سالوں میں امریکی آبادی میں شرح افزائش آج کے بہت سے ترقی پذیر ممالک سے اونچی تھی اور اس کے نتیجے میں مزید ۵۶ ملین افراد کا اضافہ ہوا۔بیسویں صدی کے نصف اول کے دوران امریکہ میں آبادی کے اوسط سالانہ شرح نمو ۳ فیصد تھی۔ یہ سب تب ہوا جب امریکہ نے اپنی پیداواریت (Productivity) اور دنیا میں اپنے مقام و مرتبہ میں بے حد موثر اضافہ کیا۔[۲] دلچسپ بات یہ ہے کہ آبادی میں اس اضافہ کا معتدبہ حصہ، بالخصوص بعد کے سالوں میں، بیرونی آبادکاروں کی وجہ سے ہوا، اور کسی معاشرے کے لیے مقامی طور پر پیدا ہونے والوں کی بہ نسبت باہر سے آنے والوں کو کھپانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

لاطینی امریکہ: آبادی میں اضافہ شدید خطرہ

مغرب کے پالیسی سازوں کے اصل ارادوں کے بارے میں ایک واضح اشارہ آبادی سے متعلق اس ادب میں ملتا ہے جو عام لوگوں (بلکہ پارلیمانی اداروں مثلاً امریکی کانگریس) کی توجہ کے لیے تیار ہوتا ہے اور جس میں قریب قریب ''ہمیشہ'' خوراک کی کمی، قدرتی وسائل کے اتلاف، ماحولیاتی آلودگی اور آبادی کی کثرت کے حوالے دیے جاتے ہیں۔لیکن جو دستاویزات ''اندر خانہ'' استعمال کے لیے تیار ہوتی ہیں اُن میں اس طرح کے دلائل تقریباً بالکل نہیں ہوتے۔مثلاً قومی سلامتی کونسل کے (کالعدم) ''آپریشنز کوآرڈی نیٹنگ بورڈ'' کی ایک انتہائی خفیہ یادداشت، لاطینی امریکہ میں اقدامات کے لیے منصوبہ (Outline Plan of Operations for Latin America) آبادی میں تبدیلی کے حوالے سے امریکی لیڈروں کی سراسیمگی کا اظہار کرتا ہے:

''جب بھی کسی پروگرام پر عمل درآمد ہو تو علاقے میں آبادی میں تیزی سے ہونے والا اضافہ اور اقتصادی ترقی۔اور اُن کا ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی مستقبل کی امکانی طاقت اور اہمیت پر اثر۔ضرور پیش نظر رہیں[۳] ''مطلب یہ ہوا کہ واشنگٹن کو لاطینی امریکہ میں اپنے مقاصد کے لیے اصل خطرہ اس اقتصادی ترقی سے ہے جس کے ساتھ ساتھ آبادی میں اضافہ بھی ہو، نہ کہ وہ نقصانات جن کا موجودہ آبادیاتی پالیسی پروپیگنڈا میں ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ یہ موضوع سبھی ترقی پذیر علاقوں سے متعلق امریکی خارجہ امور کے ریکارڈ میں نفوذ کرتا ملے گا۔

لاطینی امریکہ سے متعلق اُسی سوچ کی تازہ ترین مثال ۱۹۹۱ء کے ایک تحقیقی مقالے میں سامنے آئی جو

امریکی فوجی کانفرنس برائے طویل المیعاد منصوبہ بندی کے لیے تیار کیا گیا:

آبادی بڑھنے سے آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے:

لاطینی امریکہ میں پانچ گنا ایشیا میں تین گنا:

اگرچہ اس عرصہ میں زیر مطالعہ آبادیوں میں سے ۹ ایشیائی ممالک کی آبادی تین گنا ہوچکی ہے اور ۶ لاطینی امریکی ممالک اپنی آبادی سات گنا بڑھا چکے ہیں، لیکن اندازہ یہ ہے کہ فی کس آمدنی میں بھی ہر جگہ ڈرامائی اضافہ ہوا ہے۔ ایشیائی ممالک میں ۳ گنا اور لاطینی امریکی گروپ میں ۵ گنا..... یعنی بہ ظاہر آبادی میں تیز رفتار اضافہ سے جو آبادیاں براہ راست متاثر ہوئیں انھیں پیداواریت میں اضافہ میں دقت نہیں ہوئی۔[۴]

مغرب میں آبادی کی کمی طاقت کا توازن بدل دے گی:

یہ ایک بڑی اہم بات سامنے آئی ہے۔ لاطینی امریکہ کے زیر مطالعہ ممالک میں فی کس آمدنی..... دولت (آمدن) کی آبادی سے نسبت ۵ گنا اور آبادی میں اضافہ ۷ گنا ہوا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ علاقہ میں مجموعی آمدنیوں کا اضافہ ۳۵ گنا ہوا، یا ہر شخص کو اوسطاً ۵ گنا زیادہ وصولی ہوئی، جبکہ لوگ پہلے کی بہ نسبت ۷ گنا زیادہ تھے۔ گویا مغربی پالیسی پروپیگنڈہ جس اقتصادی جمود کے اندازے پیش کر رہا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ علاقے کی دولت اور وقار میں نمایاں بہتری آئی۔ اگر واشنگٹن والے ان بلند بانگ دعووں پر واقعی یقین رکھتے تھے کہ آبادی میں اضافہ ترقی کی راہ کا سنگ گراں ہے، تو ان ''کریم النفس'' امریکی پالیسی سازوں کو اب خوش ہوجانا چاہیے کہ لاطینی امریکی اقوام تو بہت اچھی رہی ہیں اور انھوں نے امریکی حکومت کے لاکھوں کروڑوں ڈالر بچالیے جو اُسے 'غربت کے خاتمہ کے لیے' مانعات حمل پروگراموں میں کھپانے پڑتے۔ لیکن ریکارڈ ہماری اس خوش گمانی اور اطمینان کا ساتھ نہیں دے رہا:

آبادی سے متعلق قریب قریب سبھی موجودہ اندازے بتا رہے کہ زیادہ ترقی یافتہ علاقوں (یورپ، سوویت یونین، جاپان، شمالی امریکہ اور اوشیانا) میں آبادی میں اضافہ کی شرح نسبتاً سست ہے، جبکہ کم ترقی یافتہ علاقوں (یعنی باقی دنیا) میں یہ شرح افزائش نسبتاً تیز ہے۔ کچھ فرق کے ساتھ، یہ اندازے بتا رہے ہیں کہ یہ رُجحان دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد سے مسلسل موجود ہے۔ اگر یہ سلسلہ دو ایک نسلوں تک ایسے ہی چلتا رہا تو بین الاقوامی سیاسی صورت حال اور عالمی طاقت کے توازن پر اس کے اثرات بے پایاں ہوں گے۔[۵]

یہ تحقیقی مقالہ بالآخر درج ذیل نتائج اخذ کرتا ہے:

مغرب کے لیے نیا خطرہ:

ان اندازوں کی رُو سے ایک بالکل مختلف دنیا ابھر کر سامنے آتی ہے۔ یہ رجحانات اس دباؤ کا پتہ دیتے ہیں جو آج کی صنعتی جمہوریتوں کے کردار اور مقام و مرتبہ کو بتدریج گھٹا رہا ہے۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ تیسری دنیا کی اقتصادی نمو نسبتاً چنداں خوشگوار نہیں ہوگی، پھر بھی عالمی سطح پر آج کی صنعتی جمہوریتوں کا اقتصادی پیداوار میں حصہ رو بہ زوال ہوسکتا ہے۔ موجودہ کم آمدنیوں والے علاقوں میں بالعموم ترقی پذیر صنعت کاری ہوتی رہے تو مغرب کی

تقلیل وتخفیف(Diminution) کی رفتار تیز تر ہوگی۔ چناں چہ کوئی بھی شخص ایک ایسی دنیا کا اندازہ لگا سکتا ہے جو بالآخر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مفادات کے لیے خطرناک ہوگی.....آبادی اور اقتصادی ترقی کے جن رجحانات کا تذکرہ ہوا وہ ایک ایسی بین الاقوامی فضا پیدا کر سکتے ہیں جو مغربی اتحادیوں کی سلامتی اور مستقبل کے امکانات کے لیے گزشتہ نسل کی سرد جنگ سے بھی زیادہ تہدید آمیز اور نقصان رساں ہوگی۔[۶]

امریکی مفادات کے لیے دوسرے ملکوں کی بڑی آبادی خطرناک ہے:

برازیل آبادی کے باعث لاطینی امریکہ پر چھا چکا ہے:

تحدید آبادی کے متعلق قومی سلامتی کونسل کی ۱۹۷۴ء کی دستاویز NSSM-200 جو اس موضوع پر امریکی دلچسپی کا حتمی اظہار اور اعلان ہے، لگی لپٹی رکھے بغیر بات کرتی ہے۔ اس میں زوردار الفاظ میں تاکیداً کہا گیا ہے کہ امریکی مفادات کے لیے بڑے ممالک کی تیزی سے بڑھتی آبادی خطرناک ہے۔ یہ وہ ممالک ہیں جو دوسروں پر حاوی ہونے کی کوشش کریں گے اور جو قدرتی وسائل سے مالا مال ہیں۔ مثلاً بڑھتی تعداد کے ساتھ ساتھ مصری تزویراتی طور پر زیادہ اہمیت اختیار کرتے جائیں گے۔ ایک مطالعہ بتاتا ہے: ''مصر کی بڑی اور بڑھتے حجم والی آبادی کئی برس تک خود مصر کی اپنی اور اس کے پڑوسی ممالک کی داخلی اور خارجہ پالیسیوں کی تشکیل میں اہم عامل رہے گی[۷] ''برازیل بھی آبادی کے حوالے سے لاطینی امریکہ کے ممالک پر ''چھایا ہوا ہے''، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ''آنے والے ۲۵ برسوں میں لاطینی امریکہ اور باقی دنیا کے منظر پر برازیل اہم قوت کا حامل ہوگا''۔[۸]

نائیجیریا بھی کچھ اسی طرح کی بہتر پوزیشن میں ہے:

نائیجیریا کی آبادی اس کی قوت میں اضافہ کر رہی ہے:

۱۹۷۰ء میں ۵۵ ملین آبادی والا نائیجیریا براعظم کا سب سے زیادہ آبادی والا ملک تھا۔ اندازہ ہے کہ صدی کے اختتام پر یہاں کی آبادی ۱۳۵ ملین ہوگی۔ اس سے افریقہ میں صحارا کے جنوب میں نائیجیریا کے بڑھتے ہوئے سیاسی اور تزویراتی کردار کا پتہ چلتا ہے۔[۹]

تباہ کن ہتھیار بڑی آبادیاں ختم نہیں کر سکتے:

کم ترقی یافتہ ممالک میں بڑھتی آبادی کے پردہ میں امریکی بالادستی کو لاحق ''خطرے'' کا آج کل بار بار حوالہ دیا جاتا ہے اور اس پر بڑا زور ہے۔ پورے تسلسل سے دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ ترقی پذیر ممالک کی روز افزوں آبادی جنوب کی ان ابھرتی اقوام کو سیاسی اور اقتصادی پیش رفت کا موقع دیتی ہے۔ جس کا نقصان امریکہ کو ہوگا۔ سرد جنگ کے بعد کے عالمی نظام میں قومی سلامتی اور آبادی کے رجحانات سے بحث کرنے والا بہت بڑی تعداد میں موجود لوازمہ اس مسئلہ کی اہمیت کی تصدیق کرتا ہے یا ان سے کم از کم مذکورہ نتیجہ لازمی طور پر برآمد ہوتا ہے۔ دوسری طرف ایک تاثر یہ ہے کہ عالمی طاقت کے انتظامات مضبوط اور مستحکم ہیں، کیونکہ ایٹمی ہتھیاروں اور دوسری ترقی یافتہ ٹیکنالوجی نے بڑی آبادیوں کی اہمیت ختم کر کے رکھ دی ہے۔ یہ بات کسی حد تک اور وقتی طور پر صحیح ہو سکتی ہے لیکن مغربی زعماء اس سے قطعاً مطمئن نہیں۔ فی الاصل اگر ایک دو نسلوں کی بات کریں۔ یعنی اتنے وقت

کی جس میں آبادی کے رجحانات اور ان کے اثرات کی بات ہوسکتی ہے تو ماہرین ایک بالکل ہی مختلف منظر کشی کرتے ہیں۔ایک حوالہ جو عام طور پر دیا جاتا ہے، واضح کرتا ہے:

جدید صنعتی ڈھانچے کے لیے بڑی آبادی لازمی ہے:

بڑی آبادی کے بغیر معاشی بوجھ اٹھانا مشکل ہے:

یہ دلیل کہ جدید ہتھیار بڑی آبادی کے فوائد کو زائل کر دیں گے، غلط ہے.....ایٹم بم کی تخلیق وتعمیر کے لیے صرف علم کافی نہیں ہے۔امریکہ کی جنگی مشین کی تشکیل اس کی بڑی بڑی صنعتوں نے کی جن کی ایک لمبی فہرست ہے۔جدید تباہ کن ہتھیاروں کے لیے جس طرح کا صنعتی ڈھانچہ چاہیے وہ صرف بڑی اور زیادہ آبادی والا ملک ہی مہیا کرسکتا ہے.....سیدھی سادھی بات یہ ہے کہ جدید ہتھیاروں نے بڑی[آبادی] اور بڑی افواج والی اقوام کی قوت کم کرنے کے بجائے بڑی آبادی اور بڑے فوجی بجٹ والے ایسے ممالک کی طاقت کو بڑھا دیا ہے۔جنگی آلات کی ترقی پذیر ٹیکنالوجی اس خوفناک حد تک مہنگی ہوچکی ہے کہ اب صرف بہت بڑے ملک ہی یہ بوجھ سہار سکتے ہیں۔طاقت کے چند بڑے ملکوں کے ہاتھوں میں ارتکاز کی بہ نسبت، جو بیسویں صدی کے نصف کے اول میں نمایاں تھا،[اس عرصہ میں آبادی میں آنے والی چند تبدیلیاں زیادہ متاثر کن رہی ہیں]۔[۱۰]

مزید براں اس ایٹمی دور میں برسرپیکار فوجوں کا حجم اور حوصلہ (morale) کچھ کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔وہی مصنفین [اورگانسکی] اس بات پر زور دیتے ہیں کہ: تعداد میں برتری کا فائدہ کا شتکار اقوام کے لیے شاید سب سے اہم ہے۔وہ وضاحت کرتے ہیں:

بڑی آبادی قابض فاتحین کا ناطقہ بند کرسکتی ہے:

> برباد شدہ بستیوں کو کون بسائے گا، اور باقی بچ جانے والوں کے سر پر کون کھڑا ہوگا؟ ایک ایسی صدی میں، جب بڑی اقوام کامل تباہی لانے سے ہچکچائیں گی، وہ چھوٹی چھوٹی جنگیں کون لڑے گا، جو اس صدی میں عام ہوں گی؟ کوریا اور انڈوچائنا میں ہم نے سیکھا..... یا ہمیں سیکھ لینا چاہیے تھا..... کہ کسان سپاہی بھی جدید ہتھیاروں کا بہ خوبی مقابلہ کرسکتے ہیں۔اگر کسی قلی نے پیٹھ پر دھما کہ خیز مواد اٹھا رکھا ہو تو جیٹ جہاز سے اسے روکا نہیں جاسکتا۔ہر ہر بھوسے کے ڈھیر پر جس میں کوئی ٹینک چھپایا گیا ہو، ایٹم بم برسانا ممکن نہیں.....بیسویں صدی نے ہمیں وہ پرانے طور طریقے پھر سے سکھائے ہیں جن سے جدید فاتحین کو ناکام بنایا جاسکتا ہے۔کسان گوریلا جو پہاڑوں میں جا کر بیٹھ جائے، بم پھینکنے والا تخریب کار جو انسانی بھیڑ میں چھپا کھڑا ہو، وہ فوج جو دن کی روشنی میں ادھر اُدھر سٹک جائے۔یہ سب اس ہمہ گیر جنگ کی مختلف شکلیں ہیں جو نت نیا روپ دھارتی ہیں۔ایک بڑی آبادی اپنے فاتحین کو بے قوف بنا سکتی ہے جو اپنا کنٹرول بڑی سڑکوں اور چند نمایاں شہروں تک پھیلا سکتے ہیں لیکن وہ اپنے ہی اس

جال میں پھنسے ہوئے پرندوں کی طرح بیٹھے ہوتے ہیں جب کہ پورا ملک ان کے نیچے جوش سے اُبل رہا ہوتا ہے۔[۱۱]

بڑی جنگی مشینوں کے بڑی آبادی درکار ہے:

ایک عظیم جنگی مشین کا انحصار بڑے پیمانے پر اقتصادی طاقت پر ہوتا ہے، تاہم اسے بعض خام اموال کی ضرورت ہوتی ہے جن تک رسائی آبادی میں تبدیلی سے متاثر ہوسکتی ہے۔ امریکہ کا بعض اہم (تزویراتی نوعیت کی) معدنی اشیاء کے ضمن میں بیرونی ذرائع پر انحصار، جن میں وہ معدنیات بھی شامل ہیں جو ہتھیاروں کی تیاری میں استعمال ہوتی ہیں، بعض حلقوں کے لیے تشویش کا باعث بن چکا ہے۔ مثلاً نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی کی ۱۹۹۰ء کی ایک تحریر ''انحصار'' اور ''زد پذیری'' (vulnerability) میں خط امتیاز قائم کرتی ہے۔ اس کی وضاحت وہ یوں کرتی ہے کہ اگر ''سماجی اور سیاسی ہلچل سے بیرونی وسائل کی ترسیل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو انحصار عدم تحفظ کی شکل اختیار کرسکتا ہے''۔[۱۲] پھر اس تحریر میں کئی پالیسی سفارشات دی گئی ہیں جن کا رخ یہ ہے کہ ''تزویراتی اشیاء کے حصول کے اہداف دوستوں، حلیفوں اور تیسری دنیا میں خارجہ پالیسی مقاصد کے ساتھ مربوط ہوں''۔ اس سے اسٹیٹ [ڈیپارٹمنٹ]، یو ایس ایڈ اور بین الاقوامی امور سے متعلق دوسری ایجنسیوں کو امریکی تزویراتی معدنی اہداف کی کیفیت کے متعلق رہنمائی ملے گی۔ نیز ''تیسری دنیا کے ممالک کو خاص اس مقصد کے لیے ترقیاتی امداد مہیا کی جائے گی کہ وہ ان اہم معدنی اشیا کی پیداوار بڑھا دے.....''۔[۱۳] کتاب مطالبہ کرتی ہے کہ کسی ایسی صورت حال میں کہ ''کوئی سیاسی یا فوجی بحران پیدا ہو جو بیرون ملک تزویراتی معدنی وسائل تک ہماری [امریکی] رسائی سے متصادم ہو''، امریکہ ''متبادل ہنگامی منصوبے'' تیار رکھے اور ''خفیہ انداز کے چند امکانی اقدامات بھی سوچ رکھے'' تاکہ معدنی وسائل تک امریکی رسائی میں دخل اندازی کا مقابلہ کیا جاسکے''۔[۱۴]

ترقی پذیر ممالک کی آبادی امریکہ کے لیے خطرہ ہے:

خام مال کے ذخائر کم ترقی یافتہ ممالک میں ہیں:

اس موضوع پر بار بار گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ ڈیوڈ اور جیفری ڈیبلکو کے بہ قول: ''غیر فوجی خطرات..... مثلاً ترقی پذیر ممالک میں بڑھتی ہوئی آبادی یا قدرتی وسائل پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے مسابقت کا عمل ..... بالآخر [امریکی] قومی سلامتی کے لیے خطرات کھڑے کرسکتے ہیں''۔[۱۵] ''NSSM-200'' نے بھی یہی پیغام دیا: ''بہت سی معدنیات کی اعلیٰ قسم کے خام مال کے معلوم ذخائر کا محل وقوع اس طرح ہے کہ سبھی صنعتی علاقے کم ترقی یافتہ ممالک سے ان کی درآمد پر زیادہ سے زیادہ تکیہ کریں..... معدنیات کی ترسیل کے حقیقی مسائل کا تعلق مقدار اور کفایت سے نہیں، بلکہ سیاسی اور معاشی اصطلاح میں اس بات سے ہے کہ ان وسائل کی تلاش، اخراج اور استعمال کیسے ہو اور حاصل ہونے والے منافع کی پیداکار، صارف اور میزبان حکومتوں کے مابین تقسیم کیسے کی جائے''۔[۱۶] چنانچہ NSSM نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ تحدید آبادی اور خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں کو نافذ کرایا جائے تاکہ ترسیلات میں پڑنے والی امکانی رکاوٹوں سے تحفظ حاصل رہے:

خام مال کی محفوظ ترسیلات کے لیے آبادی کم کرائی جائے:

ان ممالک کے تمام امور میں امریکہ کی دلچسپی ضروری ہے:

امریکی اقتصادیات کو بیرون ملک خصوصاً کم ترقی یافتہ ممالک سے بڑی اور بڑھتی ہوئی مقدار میں معدنیات کی ضرورت پڑے گی۔ اس حقیقت کے پیش نظر ان اموال مہیا کرنے والے ممالک کے سیاسی، معاشی اور سماجی استحکام میں امریکہ کی بڑھتی ہوئی دلچسپی ضروری ہوجاتی ہے۔ جہاں کہیں بھی کم شرح پیدائش کے نتیجہ میں آبادی کا گھٹتا بوجھ اس طرح کے استحکام کے امکانات کو روشن کرتا ہے وہیں امریکی اقتصادی مفادات کے لیے آبادی سے متعلق پالیسی مفید مطلب بن جاتی ہے۔[۱۷]

مغرب: ترقی پذیر ممالک کی گھٹتی آبادی اہم ترین سوال:

حقیقت یہ ہے کہ کوئی دوسرا ایسا مسئلہ نہیں جو مغرب کے پالیسی سازوں میں بحران کا وہ احساس انگیخت کرتا ہو جتنا ترقی پذیر ممالک میں شرح آبادی کا سوال ہے۔ نہ ہی کوئی دوسرا معاملہ بین الاقوامی طاقت و اختیار کے قریب قریب ہر جزو کے ساتھ اتنا گتھا ہوا ہے.....خواہ یہ فوجی ضرورت کے لیے اشیا تک رسائی کی بات ہو، مستقبل میں افواج کی تعداد کا معاملہ ہو، مناسب اقتصادی تفوق کا سوال ہو، یا سیاسی برتری، نسلی قوت اور ثقافتی اثرات کا قصہ ہو۔ یقیناً تحدید آبادی کے کچھ وکیل ایسے ہوسکتے ہیں جو مانتے ہیں کہ فوجی تحفظ اور سلامتی خود ایک مسئلہ ہے لیکن ان کا پختہ ایمان ہے کہ ترقی پذیر اقوام کے گھرانوں میں بچوں کی تعداد کم ہو تو یہ ان کے لیے بہتر ہوگا۔ اگر وہ لوگ خوشحال اور مطمئن ہوں گے تو بہ قول ان حضرات کے، سلامتی کے لیے خطرات کم ہوجاتے ہیں۔ ریکارڈ یہی بتاتا ہے کہ واشنگٹن میں بیٹھے بنیادی ڈھانچہ کی اصلاحات کی بات کرنے والے ''ماہرین'' جنوب میں لوگوں کے معیار زندگی کے متعلق چنداں پریشاں نہیں ہیں۔ مثلاً صحت کے لیے دواؤں کے معاملہ پر ہی نظر ڈال لی جائے۔

افریقہ میں ملیریا سے مرنے والوں سے غفلت کیوں؟

خیال ہے کہ افریقہ میں ہر سال ملیریا سے مرنے والوں کی تعداد ایک ملین ہے۔ گھانا نیوز ایجنسی کے مطابق شمالی خطوں میں ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۳ء کے عرصہ میں مرنے والوں میں سے ایک تہائی ملیریا کا شکار ہوئے جس کی زد میں زیادہ تر بچے اور حاملہ خواتین آئیں۔[۱۸] ملیریا کا علاج ایسی اینٹی بایوٹک [حسنہ حیات] دواؤں سے ہوسکتا ہے جن پر صرف ایک ڈالر [فی مریض] خرچ آئے گا.....اور یہ بات پہلے بتائی جاچکی ہے کہ یو ایس ایڈ کے پہلے مرحلے کے ''آپشنز'' پروگرام کو بنیادی معاہدہ کے تحت ۲۳ ملین ڈالر ملے تھے اور لاکھوں کروڑوں مزید بیرون ملک ''مشن دفتروں'' سے حاصل ہوئے۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ۲۴ برس سے ہر زیر ہدف ملک میں اوسطً دو ملین ڈالر خرچ ہوں۔ گویا اس پراجیکٹ کے تحت صرف ایک ملک میں خرچ کی جانے والی رقم سارے افریقہ میں سال بھر ملیریا کے شکار مریضوں کے لیے دوا خریدنے کو کافی ہوتی۔ اس دلیل کو بڑھائیں تو ایک اور ایسے ملک میں خرچ

شدہ رقم سے سال بھر کے دوران پورے براعظم میں حد درجہ ضرورت منداافراد تک ان دواؤں کو پہنچانے اور تقسیم کرنے کا خرچ پورا ہوجاتا۔اور خود یہ ''آپشنز پراجیکٹ'' یوایس ایڈ کی طرف سے ''پالیسی تشکیل'' پر اٹھنے والے سالانہ اخراجات کا ایک حقیر حصہ ہے، شاید ۵ فیصد یا اس سے بھی کم۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے ملیریا سے اموات کا سلسلہ بڑھتا جارہا ہے۔

مغرب کی کھلی سرپرستی: آبادی کم کرنے میں مشکل پیدا کرسکتی ہے

پالیسی ڈیولپمنٹ پروگرام کو ''اقتصادی'' امداد کی ایک شکل تصور کیا جاتا ہے لیکن اس سے میزبان ملک کو کوئی مالی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ پالیسی مہم، جسے کھل کر اس مقصد کے لیے تشکیل دیا گیا ہے کہ بیرونی دنیا میں رہنماؤں کی ''تربیت'' کرے تاکہ ایسے سیاسی اقدامات ہوں جو مغرب کے لیے سود مند ہیں، ان ملکوں کی اقتصادیات ہمیں ایک پیسہ بھی فائدہ نہیں دیتی جہاں اس تربیتی پروگرام پر عمل ہورہا ہوتا ہے۔زیادہ سے زیادہ ایک استثناء ان مقامی لوگوں کو کی جانے والی ادائیگی کا ہوسکتا ہے جو ''برسرموقع'' ایجنٹ ہوتے ہیں۔ان کو ادائیگیاں تقریباً ہمیشہ خفیہ کی جاتی ہیں جس سے رشوت کی فضا کو تقویت ملتی ہے۔ایک مصنف کے بقول واشنگٹن جانتا ہے کہ اگر امریکہ کھل کر سرپرستی کرے ''تو اس سے خاندانی منصوبہ بندی کی سرگرمیوں کو سیاسی تنقید کے نتیجہ میں نقصان پہنچ سکتا ہے''۔[۱۹] مزید براں پروگرام اپنی اصل میں تخلیق ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ ایسی معلومات دیتا رہے جو علاقائی لیڈروں کے رواجی فہم سے یکسر مختلف ہوں۔لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ اس کا مقصد [دینا کم اور] کچھ لے کر جانا ہے.....جو کچھ یہ لے جاتا ہے وہ دراصل قومی ہیئت مقتدرہ کی وہ اہلیت ہوتی ہے جس سے واقعات کے نتائج کا دیانتدارانہ تجزیہ کیا جاتا ہے یا ان کے ایسے آزادانہ فیصلے ہوتے ہیں جو خود ان کی اپنی اقوام کے مستقبل کی بہبود میں مددگار ہوں۔

ترقی پذیر ممالک: پانچ بلین ڈالر سے آبادی کم کرتے ہیں

یہی بات تحدید آبادی کے متعلق بالعموم کہی جاسکتی ہے۔۱۹۹۱ء میں اقوام متحدہ نے اندازہ لگایا کہ ترقی پذیر ممالک میں آبادی کو کنٹرول کرنے پر ''سالانہ'' ساڑھے چار سے پانچ بلین ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔[۲۰] اس میں کثیر فریقی اور دوطرفہ پروگراموں کی رقوم شامل ہیں لیکن وہ کافی بڑی رقوم شامل نہیں جو نجی سرمایہ کاری کے طور پر مغرب میں قائم بہت سی کثیر قومی کارپوریشنیں اور ''مخیّر'' ادارے فراہم کرتے ہیں۔اس رقم میں ہر سال معتدبہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔اگر اس کا محض ایک حصہ ہی افریقی اسکولوں کے لیے مختص کردیا جاتا، یا مقامی ہدایات کے تحت اور مقامی کرنسی شرح کے مطابق ہیکل اساسی کی تعمیر، توانائی کی ترقی، زراعت میں نئے طور طریقوں کے رواج اور ٹیکنالوجی کے فروغ پر خرچ ہوتا، تو چند برسوں میں ہی براعظم کافی ترقی کرسکتا تھا (ایسے ہی جیسے جنگ عظیم دوم کے بعد یورپ میں ہوا)۔

عالمی بینک ایک بلین ڈالر کا نفع کماتا ہے:

''قرض کے بحران'' کا معاملہ یہ ہے کہ صرف عالمی بینک سالانہ ایک بلین ڈالر سے زیادہ نفع کمالے

جاتا ہے جس میں ایک بڑا حصہ آبادی سے متعلق سرگرمیوں کے لیے دیے گئے قرضوں پر حاصل ہوتا ہے۔ اصل رقم مع سود اگلی نسل کے ان کارکنوں، کاشت کاروں، مزدوروں، اساتذہ اور عام فوجیوں کو ادا کرنی ہے جن کی تعداد کو گھٹانا ان قرضوں کا بیان شدہ مقصد ہوتا ہے۔ جب امریکہ نے عراق کے خلاف ''بین الاقوامی'' تعاون کے حصول کے لیے سفارتی مہم شروع کی تو اس نے مصر کو اس مہم میں شرکت کا معاوضہ ۷ بلین ڈالر کے دوطرفہ قرضہ کی معافی کی شکل میں پیش کیا۔ امریکہ نے سوچا ایک عرب مملکت کو تاراج کرنے کے لیے عرب حمایت کے حصول پر اٹھنے والا یہ خرچ مہنگا سودا نہیں۔ لیکن یہی امریکہ اس وقت قرض معاف کرنے کی بات نہیں کرتا جب بچوں کو عام اور مفت تعلیم دینے والا نظام منہدم ہو رہا ہو، یا جب شہروں کی طرف انتقال آبادی، آبپاشی کی ناکافی سہولتیں اور نامہربان اقتصادی حالات لاکھوں کروڑوں ایکڑ قابل کاشت زمین کو صحرا میں بدل دیتے ہیں۔

عالمی بینک کا اعتراف: آبادی میں اضافہ ترقی میں اضافہ ہے

یہ بات پہلے بھی آچکی کہ خود عالمی بینک کی ۱۹۹۰ء کی ''ڈیولپمنٹ رپورٹ'' میں یہ حقیقت تسلیم کی گئی ہے کہ آبادی میں اضافے سے ترقیاتی عمل کو تحریک ملتی ہے۔ کیونکہ ''پھلتی پھولتی اقتصادیات اضافی مزدور قوت کو کھپا لیتی ہے بلکہ ممکنہ طور پر اس کا انحصار اسی قوت پر ہوگا''۔[۲۱] اسی طرح ''نیشنل اکیڈمی آف سائنسز'' اس نتیجہ پر پہنچی کہ اگرچہ:

زیادہ آبادی کا علاج آبادی کم کرنا نہیں:

> .....آبادی کی بڑھوتری سے کئی طرح کی غیر معیاری پالیسیوں کے مضر اثرات میں شدت پیدا ہوسکتی ہے..... مثلاً ہیکل اساسی کی تعمیر میں شہروں کی جانب جھکاؤ، خوراک کی اشیا پر بالواسطہ اور بلاواسطہ زرتلافی جو زرعی مارکیٹ کی شکل بگاڑ دیتی ہے قرض مارکیٹ کی بگڑی ہوئی صورت اور عام ملکیتی اموال کا ناکافی انتظام..... [تاہم] ان مسائل کا بنیادی علاج'' آبادی کے میدان سے باہر کی بہتر پالیسیاں ہی ہیں۔[۲۲]

مغربی یورپ آبادی کیوں بڑھا رہا ہے؟

مغرب کی کم آبادی ایک بحران:

عجیب مذاق یہ ہے کہ جب معاملہ خود اپنے ملک کا ہو تو بعض ترقی یافتہ ممالک آبادی میں اضافہ کو مفید قرار دے کر خوش آمدید کہتے ہیں۔ مغربی یورپ کے کئی نسبتاً خوشحال اور کثیف آبادی والے ممالک نے ایسے قانونی اقدامات کیے ہیں کہ ان کے ہاں شرح ولادت بڑھ جائے۔ مثلاً اقوام متحدہ کی پاپولیشن پالیسیوں کی ڈائریکٹری کے مطابق فرانس نے اعلان کیا ہے کہ اس کے ہاں تولیدی شرح بہت کم ہے، چنانچہ اس نے گھرانوں کو دی جانے والی امداد کے نظام میں ایسی تبدیلیاں کی ہیں کہ ''نوجوان اور بڑے کنبوں کو زیادہ فائدہ ملے''۔[۲۳] فرانسیسی حکومت نے چند اقدامات بھی کیے ہیں، یعنی [شادی شدہ] گھرانوں کو بہتر رہائشی سہولتیں، نوجوان جوڑوں کو کم

شرح سود پر قرض کی فراہمی، اور ایسے قوانین کا اجرا کہ دوران حمل چھٹی کی ضمانت میسر رہے۔ ان سب کا اعلان شدہ مقصد ایک ہے، یعنی پیدائش اطفال کی شرح کو عوضی (replacement) سطح تک اٹھانا۔[۲۴] اسی طرح سوئٹزرلینڈ نے بھی اپنی شرح آبادی کو ناکافی قرار دیا ہے۔ اقوام متحدہ کی ایک کتاب میں دیے گئے حوالہ کے مطابق سوئس حکومت کی کوشش ہے کہ وہ ''ہر شعبہ میں، بالخصوص بچوں اور گھرانوں کے لیے معاشی تحفظ اور بہبود کی ایسی فضا پیدا کر دے جو بالواسطہ شرح تولید کو بڑھا دے''۔[۲۵] شادی شدہ جوڑوں کے لیے الاؤنس کا ایک نظام بھی کام کر رہا ہے جیسے کہ زچگی کے دوران کام سے چھٹی اور بیمہ کی سہولت موجود ہے۔[۲۶] مغربی جرمنی نے بھی ۱۹۸۴ء میں ''حیات پسند'' (pro-natalist) پالیسی کا اعلان کیا جس کے تحت سالانہ دو لاکھ جرمن بچوں کی اضافی پیدائش مقصود تھی۔ اس پالیسی میں استقرار حمل کے لیے ٹیکس مراعات ہیں اور ہر ماں کو ۲۰۰ ڈالر کا خصوصی الاؤنس ملتا ہے جب تک اس کا نومولود سال بھر کا نہ ہو جائے۔ اس پالیسی میں ایک ترمیم کے ذریعہ والدین کے لیے چھٹی کی شقیں ڈالی گئیں ہیں اور وضع حمل کے بونس میں اضافہ کیا گیا ہے۔[۲۷] یونان نے بھی ایک قانون نافذ کیا ہے جس کے تحت حاملہ خاتون کو کام سے نکالنے کی ممانعت کر دی گئی ہے، زچگی کی ۱۴ ہفتہ کی چھٹی لازمی کر دی گئی ہے اور زیادہ بچوں والے گھرانوں کے لیے ''بچوں کی بہبود کا الاؤنس'' مقرر کر دیا گیا ہے۔ یہ تمام اقدامات اس لیے ہیں تاکہ ولادت اطفال میں اضافہ ہو۔ یونان میں بانجھ کر دینے کا عمل محدود کر دیا گیا ہے۔[۲۸] کئی اور یورپی ممالک میں بھی ''خاندان کے لیے فوائد طے کیے گئے ہیں''۔ اگرچہ [بظاہر] یہ فوائد کسی باقاعدہ اعلان شدہ حیات پسند اسکیموں کے تحت نہیں دیے جا رہے۔

بھارت میں جبری نس بندی امریکہ کے کہنے پر کی گئی:

اگلی صدی تک چار ارب آبادی کم کی جائے گی:

بچوں میں اضافہ کی ایسی کوششوں کا ان لوگوں کے ضمن میں شاذ ہی کبھی مطلوبہ نتیجہ نکلتا ہے جنھیں بڑے گھرانوں کی کوئی طلب نہیں ہوتی۔ لیکن بڑے خاندان چاہنے والوں پر جب منع حمل کے لیے دباؤ ڈالا جاتا ہے تو یہ عمل تباہ کن حد تک موثر رہتا ہے۔ یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ بھارت میں ۱۹۷۵ء کے دوران وزیر اعظم اندرا گاندھی نے جس ''آبادیاتی ایمرجنسی'' کا اعلان کیا تھا اس کی پشت پر اصل کارفرما قوت امریکہ کی تھی۔[۲۹] وسط ۱۹۷۵ء سے، جب ایمرجنسی نافذ ہوئی ۱۹۷۷ء کے آخر تک اندازاً ۶۵ لاکھ مردوں کی نسل بندی کی گئی اور ایسا زیادہ تر ان کی مرضی کے خلاف ہوا۔ اناڑی پن سے کیے گئے آپریشنوں کے نتیجہ میں ۱۷۷۴ افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔[۳۰] واشنگٹن کے مایوس ذہنوں نے گزشتہ تین دہائیوں کے دوران دباؤ کے جن ہتھکنڈوں کی حوصلہ افزائی کی، یہ اس کی محض ایک مثال ہے۔ تحدید آبادی کی ایک طاقتور تنظیم کا کہنا ہے کہ عالمی سطح پر ''استحکام'' آبادی کی جو کوشش اب [۱۹۹۱ء] تک ہوئی ہے اس سے جنوبی کرہ ارض میں ۴۰ کروڑ آبادی کم ہوئی ہے۔ یہی گروپ اندازہ پیش کر رہا ہے کہ اگلی صدی تک یہ فرق ۴ ارب تک پہنچ جائے گا۔[۳۱]

خاندانی منصوبہ بندی کے تکلیف دہ طریقے:

عورتوں پر ظلم در ظلم:

جو کم جابرانہ پروگرام ہیں ان کی وجہ سے بھی دنیا بھر کی صحافی برادری اور طب وصحت کے حلقوں میں تند و تیز بحث چھڑی ہوئی ہے۔ ''ڈالکن شیلڈ'' ایک مانع حمل آلہ ہے کہ جب اندام نہانی میں داخل کر دیا جائے تو عارضی بانجھ پن پیدا کرتا ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں اس کی وجہ سے امریکہ میں بہت سی اموات ہوئیں اور یہ ایک تاریخی عدالتی فیصلے کا موضوع بنا۔[۳۲] اس پر بھی اسی طرح لاکھوں کروڑوں اختراعی آلات امریکہ سے برآمد کیے جاتے ہیں۔ بالعموم ترقی پذیر ممالک میں انھیں تقسیم کیا جاتا ہے اور ان کے استعمال میں ممکنہ خطرات سے بھی ان لوگوں کو آگاہ نہیں کیا جاتا جو انھیں استعمال کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہوتے ہیں۔[۳۳] نورپلانٹ (Norplant) ایک مانع حمل اختراعی آلہ ہے جسے سرجری کے ذریعہ خاتون کے بازو میں جلد کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق معلوم ہے کہ کئی طرح کی پیچیدگیوں کا باعث بنتا ہے۔ کئی رپورٹس اور شکایات ہیں کہ بعض استعمال کنندگان کو ضعف وناتوانی کی شکایت ہوئی لیکن خاندانی منصوبہ بندی کے ''نگرانوں'' نے وہ آلہ جلد کے نیچے سے ہٹانے سے انکار کیا۔[۳۴] ٹیکے (injectables) جو زیادہ عرصہ کام کرنے والی مانع حمل دوائیں ہیں، کے متعلق بھی متعدد شکایتیں ہیں اور یہ سلسلہ ۱۹۷۰ء کی دہائی سے جاری ہے لیکن پھر بھی یہ دوائیں ''خاندانی منصوبہ بندی'' کی عالمی کوششوں کی بنیاد ہیں۔[۳۵]

غیر ترقی یافتہ ملکوں میں خواتین پر ظلم:

بانجھ پن کی دوائیں نہایت خطرناک ہیں:

پھر منع حمل کے بہت سے تجرباتی طریقے ہیں جنھیں انتہائی کم ترقی یافتہ ممالک میں مفلوک الحال خواتین پر استعمال کرتے ہوئے من مانی (arbitrary) خوراکیں دی جاتی ہیں۔ ان غریب عورتوں کو اس قانونی ہرجانے کی سہولت ملنے کا کوئی امکان نہیں جو لاپرواہی سے زخم پہچانے کی صورت میں مغرب کی خواتین حاصل کرتی ہیں۔ نہ ہی امکانی طور پر مہلک پیچیدگیوں کی صورت میں طبی امداد اور علاج ان عورتوں کے دسترس میں ہے۔ نئے طریقوں میں جن پر طبی تجربات ہو رہے ہیں ایک ''دافع حمل ویکسین'' ہے جس کا اثر سال بھر رہتا ہے۔ ابھی اس کے عواقب ونتائج کا کچھ پتہ نہیں اس کے باوجود یہ ویکسین تجرباتی طور پر ۱۹۸۵ء کے بعد سے بھارت میں زیر استعمال ہے۔[۳۶] کینا کرائن (quinacrine) ایک اور ایسی ہی دوا ہے جس نے کافی دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ نسوانی اندام نہانی میں داخل کر دینے سے اندرونی جلد اتنی جل جاتی ہے کہ مستقل بانجھ پن پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس سے امیدیں ہیں کہ مستقل بانجھ پن کے لیے غیر سرجیکل طریقے کے طور پر اس کی بڑی مانگ رہے گی۔ یہ حقیقت ''انٹرنیشنل جرنل آف گائینوکالوجی اینڈ آبسٹیٹرکس'' میں ۱۹۸۹ء کے ایک تشریحی جائزہ تیار کرنے والوں سے پوشیدہ نہ تھی جنھوں نے زور دے کر یہ بات کہی کہ مذکورہ دوا میں یہ صلاحیت ہے کہ اس سے بھارت میں سالانہ ۱۰ لاکھ نسوانی نس بندیوں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔[۳۷] ''کینا کرائن'' کے بہت سے مضر اثرات معلوم

ہوئے ہیں۔ان میں اہم ترین زہریلا دماغی عارضہ ہے۔ یہ گویا کیمیاوی طور پر پیدا کردہ پاگل پن ہے۔[۳۸] اس نئی ٹیکنالوجی نے کچھ اور خدشات بھی ابھارے ہیں جن میں ایک یہ امکان ہے کہ ایک بار یہ ضبط حمل کے ذریعے کے طور پر عام ہوجائیں تو RU-486 والی ''اسقاط حمل کی گولی'' کی طرح خواتین کے علم یا اجازت کے بغیر بہ آسانی ان پر استعمال ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ کئی ایسے قرینے اور اشارے ملتے ہیں کہ اکیسویں صدی میں ''تنظیم آبادی'' کے ہتھیار یہی ہوں گے۔

امریکی امداد کا مقصد خود امریکہ کی امداد ہے:

اوپر جو مثالیں بیان ہوئیں ان سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہورہا کہ یہ کسی ایسی حکومت کا فلسفہ یا سوچ ہے جسے ترقی پذیر ممالک میں صحت کی اصلاح کی فکر لاحق ہوگئی ہو۔ دوسرا موضوع گفتگو جس پر امریکی فنی امداد کے ماہرین زور شور سے بولتے رہتے ہیں یعنی تخفیف غربت وہ بھی کافی شک میں ڈالنے والا ہے۔ بہت کچھ شہادتیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آبادی سے متعلق پروگرام سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کفایت شعاری کے بیرونی منصوبوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ دنیا بھر میں تحدید آبادی کے سخت تر انتظامی سلسلے قائم رہیں۔اس کی ایک مثال خوراک کی امداد روک لینے کی دھمکیاں ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ قومی سلامتی کونسل کی آبادی کی منصوبہ بندی کی بنیادی دستاویز (NSSM-200) میں یہ خوش بیانی اور لفاظی موجود ہے کہ ''بنیادی سماجی اور اقتصادی ترقی'' ایک ذریعہ ہے کہ امریکہ پر لگنے والے ''استعماری اداروں کے الزامات کو ٹھنڈا کر دیں''۔ جیسے ایک بار صدر نکسن نے کہا تھا، جن کے حکم پر ۱۹۷۴ء کی مذکورہ دستاویز (NSSM-200) تیار ہوئی تھی، کہ ''ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ امداد کا اصل مقصد دوسری اقوام کی نہیں بلکہ خود ہماری اپنی مدد ہے''۔[۳۹]

دوسرا گروہ کتنے بچے پیدا کرے فیصلہ پہلا گروہ کرے گا:

پھر یہ بھی ہے کہ تحدید آبادی کے تصور کو ادارتی شکل دینی ہے۔اس امر کے بھی کافی شواہد موجود ہیں کہ جن ممالک میں آبادی کی پالیسی کو خاصا عرصہ ہوگیا ہے وہاں کے مستبد اور جابر لیڈر اب یہ سمجھنے لگے ہیں کہ یہ تو خود اپنی رعایا بالخصوص غریب طبقے کو دبائے رکھنے کا ہتھیار ہے۔قوت اور اختیار ہر ابن الوقت اور مصلحت کوش کی آخری خواہش ہوتی ہے اور اس سے بڑا اختیار اور کیا ہوگا کہ ایک گروہ کے ہاتھ میں یہ فیصلہ ہو کہ دوسرے گروہ کو کتنے افراد [پیدا کرنے] کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ جن قوموں کا عالمی منظر پر کوئی مقام اور تشخص نہیں وہاں کے لیڈر اس لالچ میں آسکتے ہیں کہ جبر و تشدد (بہ شمول تحدید ولادیت) کی راہ اپنائیں کہ آنے والی نسلوں پر اقتدار قائم رہے۔لیکن دوسری طرف یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ قوتیں جو مستقبل قریب میں مغرب کی حریف بن کر سامنے آسکتی ہیں وہ ان اقدامات کو اسی طرح اپنے عالمی حریفوں کے لیے بچائے رکھیں جیسے امریکہ اور یورپ کر چکے ہیں۔آج کی عظیم طاقتوں نے شاید اس عدیم المثال عفریت کو جنم دیا ہے جو ایک دو نسلوں میں خود ان ہی پر پلٹ کر مصیبت بن سکتا ہے۔

ساحل مارچ ۲۰۰۶ء

آبادی کم کرنے کے لیے اربوں روپے کی امداد کا پس منظر:

اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ یہ حقیقت ہے کہ تحدید آبادی پر کافی بڑی رقوم ان پیش گوئیوں کے پس منظر میں خرچ کی جا چکی ہیں کہ ترقی پذیر دنیا ''ایڈز'' (Aids) سے متعلق آبادی میں کمی کے خطرے سے دوچار ہے۔ ''یو ایس ایڈ'' کے آفس آف پریس ریلیشنز کے ۱۹۸۹ء میں تیار کردہ ایک حقائق نامہ کے مطابق ریگن انتظامیہ نے کم ترقی یافتہ ممالک میں خاندانی منصوبہ بندی اور تحدید آبادی کی سرگرمیوں کے لیے اندازاً ۳ بلین ڈالر مختص کیے۔ یہ رقم جانسن، نکسن، فورڈ اور کارٹر کے ادوار میں اسی مقصد کے لیے خرچ شدہ کل رقم سے کئی گنا زیادہ ہے۔ یہ عین اس وقت ہوا جب ایڈز کی وبا ہوش ربا انداز میں پھیل رہی تھی۔[۴۰]

ایڈز: تیسری دنیا کی آبادی کم کرنے کا ہتھیار

امریکی کانگریس کی ایک رپورٹ کے الفاظ میں ایشیا کے بعض حصوں میں مرض کا یہ پھیلاؤ ''تیسری دنیا کے ممالک کے قلب اقتصاد پر مہلک وار'' کی طرح تھا۔[۴۱] افریقہ کے متعلق بعض مطبوعہ اندازے ہیں کہ اس مرض کے نتیجے میں فی الحقیقت آبادی میں کمی واقع ہوسکتی ہے۔ اس امکان کی طرف کئی اور دستاویزات بھی اشارہ کر رہی ہیں:

> ''نیچر'' نامی رسالے میں برطانوی محققین کی شائع شدہ ایک مطالعہ کے مطابق ایڈز کا مرض افریقہ کی آبادی کے دھماکہ خیز پھیلاؤ کو ختم کرسکتا ہے۔ مطالعہ کہتا ہے کہ افریقہ میں یہ مرض اتنی تیزی سے پھیل رہا ہے کہ جو علاقے بری طرح متاثر ہوئے ہیں وہاں چند دہائیوں کے اندر آبادی میں اضافہ کے بجائے حقیقی کمی ظاہر ہوسکتی ہے۔[۴۲]

امریکی محکمہ دفاع کا ۱۹۸۸ء کا ایک آبادیاتی تحقیقی مقالہ ایڈز کے اثرات و نتائج کا حوالہ دے کر اندازوں کی خامی واضح کرتا ہے: ''آبادی کا مطالعہ، اقتصادیات کے بڑے شعبہ کی طرح، کافی گمراہ کن ثابت ہوسکتا ہے کیونکہ یہاں قابل تعین اعداد و شمار کو ہوشیاری سے آگے پیچھے کر کے نتیجہ اخذ کرنا ہوتا ہے جو مشکل کام ہے..... البتہ آبادی کے ان اعداد و شمار کے میعار میں کافی فرق ہوسکتا ہے''۔ اس کی حدود کی نمائندہ مثال ایڈز کا مرض ہوگا۔[۴۳]

ایڈز کئی ملکوں کو فنا کر دے گا:

> عالمی ادارہ صحت کا اندازہ ہے کہ دنیا میں ۵ سے ۱۰ ملین افراد اس وائرس سے متاثر ہیں۔ یہ تعداد ۱۹۹۱ء تک بڑھ کر ۱۰۰ ملین ہوسکتی ہے۔ بعض تجزیہ نگار دلیل دیتے ہیں کہ اگر ۱۰۰ ملین یا دنیا کی ۲ فیصد آبادی مرض کا شکار ہو تو ۱۹۹۰ء کی دہائی میں اس کے ہاتھوں اموات ۵۰ ملین تک ہوسکتی ہیں۔ اس کے بعد متاثرہ افراد کی تعداد کئی گنا زیادہ ہوجانے کا امکان ہے جس سے بعض ممالک ۱۰ سے ۲۰ برس کے اندر صفحۂ ہستی سے نابود ہوجائیں گے۔[۴۴]

تعجب انگیز دعویٰ یہ ہے کہ مغرب میں آبادی کے امور سے متعلق انتظامیہ کو زیر ہدف ممالک میں آبادی کے حجم اور نمو کے متعلق صحیح اور واقعی یا قابلِ اعتماد کوائف میسر نہیں ہیں۔ جنوب مغربی نائیجریا میں تولیدی مطالعے کرنے والے ایک اسکالر کا بیان ہے کہ ''میسر شہادت سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۷۷ء تک شاید ۸ فیصد پیدائش اطفال اور ۲ فیصد اموات باقاعدہ رجسٹر ہوتی تھیں''۔[۴۵] اس کا مطلب یہ بنا کہ وہ جو ترقی پذیر دنیا میں تحدید آبادی کی مہم چلانے کے ذمہ دار ہیں تسلیم کرتے ہیں کہ آبادی کی بڑھوتری کے جو کوائف انھیں میسر ہیں وہ قطعی ناکافی ہیں۔ انھیں حالات کی سنگینی کا بھی پورا احساس ہے (ایڈز کی ایسی وبا جو قوموں کی قومیں فنا کے گھاٹ اتار دے..... محض ایک مثال ہے) جو اس رجحان کا رخ بالکل بدل سکتا ہے جس کے تحت یہ حضرات جنوبی خطہ میں آبادی بڑھنے کا گمان کرتے ہیں۔ اس سے پورا منظر اور زیادہ بدنما لگتا ہے کیونکہ پتہ یہ چلا کہ ان کی سرگرمیاں خود ان کے اپنے معیارات کے رو سے بھی اس حد سے تجاوز کرتی ہیں جس کی سیاسی، آبادیاتی کیفیت کو علی حالہٖ قائم رکھنے کے لیے ضرورت پڑ سکتی ہے۔ اسٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ اسکیموں کے اجراء کے نتیجے میں بچوں کی اموات میں جو ڈرامائی اضافہ ہوا ہے اس کے پیش نظر یہ ضرورت بھی لاحق ہو سکتی ہے کہ جن افریقی ممالک میں شرح پیدائش اور اموات کی سطح اونچی ہے وہاں زیادہ اونچی شرح تولید موجود رہے تاکہ آبادی میں کسی موزوں حد تک اضافہ ضرور ہو۔

بیس بچوں میں سے صرف ایک بچہ مغربی ہوگا:

تحدید آبادی کے مسئلہ میں مقابلے کی یہ دوڑ محض اتفاقی نہیں۔ سینکڑوں نشریات، خبری تراشے اور پمفلٹس بار بار زور دیتے ہیں کہ آنے والے برسوں میں ہر بیس میں سے انیس بچے ترقی پذیر دنیا میں پیدا ہوں گے۔ دنیا میں آئندہ نسلوں کی لسانی ترکیب کا فیصلہ اسی سے ہو جاتا ہے کہ ایک طرف یورپی نسل کے پانچ نوجوان ہوں گے اور جواب میں ۹۵ عرب، افریقی، ایشیائی، لاطینی امریکی اور دوسرے افراد ہوں گے۔ ایک تبصرہ نگار کے بیان کے مطابق، آج کے آبادی کے رجحانات ''اگلی دو دہائیوں کے دوران دنیا کے عمومی رنگ روپ پر واضح اثر ڈالنے کی امید دلاتے ہیں۔''[۴۶] اس امر کا تذکرہ ہمیشہ شاید کھل کر نہ ہو لیکن مغرب کے پالیسی سازوں کی نظر میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس کا اظہار نسل پرستی کے خاتمہ کے حوالہ سے ذیل کے تجزیہ سے ہوتا ہے:

جنوبی افریقہ میں سفید فام آبادی کم ہو رہی ہے:

> ۱۹۵۱ء میں جب ''عظیم نسل پرستی'' کے قوانین اور طور طریقے وضع ہو رہے تھے، جنوبی افریقہ کے سفید فام کل شمار شدہ ملکی آبادی کے پانچویں حصہ سے کچھ زیادہ تھے۔ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں ۱۹۵۱ء والی ملکی حدود کے اندر یہ آبادی ساتویں حصہ سے بھی کم تک اتر آئی۔ سرکاری تخمینہ کے مطابق سال ۲۰۲۰ء تک سفید فام کل آبادی کا نواں حصہ ہوں گے بہ شرطیکہ باہر سے سفید آبادکار نہ چلے آئے۔ ۱۹۵۱ء کی ملکی حدود کے مطابق بات کریں تو سفید فام کل آبادی کا گیارہویں حصہ ہوں گے۔ جنوبی افریقہ میں

آزاد روی کا جو سلسلہ چلا، ضروری نہیں کہ وہ انہی رجحانات کے تحت ہوا ہو، لیکن آزادی کی مذکورہ لہر آبادی کی اس حقیقت سے باخبر ضرور تھی[۴۷]۔

کل کی دنیا رنگ داروں کی دنیا ہوگی:

علاقائی آبادیاتی نمو کے اندازوں کو درست تسلیم کرلیں اور مان لیں کہ تحدید آبادی کے یہ پروگرام کسی نہ کسی حد تک ناکام بھی ہوں گے تو کل کی دنیا کا منظر یہ ہے کہ اس میں رنگداروں کی آواز پرشور ہوگی۔ یہ ایک ایسی صورت حال ہے جس کا سامنا کرنے کے لیے واشنگٹن [امریکہ] آمادہ نہیں۔ چنانچہ ۱۹۹۱ء کا ایک ''آرمی مطالعہ'' بتاتا ہے:

> اس دنیا کا تصور کریں، بالکل آج کے اقوام متحدہ کی طرح، جس کی جنرل اسمبلی میں لفاظی ہورہی ہوگی کہ دنیا بھر کی پالیسی کیا ہوگی؟ ایسے اقدامات کے لیے ہدایات جاری ہوں گی جو لاکھوں کروڑوں کی روزمرہ زندگی کو متاثر کریں گے..... یہ دنیا تو بے حد خطرناک اور الجھن میں ڈالنے والی جگہ ہوگی۔[۴۸]

آبادی کا مسئلہ تصادم کا سبب بنے گا:

تاریخ کی روشنی میں اور خارجہ امور سے جو کچھ ظاہر ہے اس کے ہوتے یہ امید رکھنا قطعی واہیات اور بے معنی ہے کہ مال دار اقوام جنوب کی ابھرتی قوتوں کے سامنے رضا کارانہ ہتھیار ڈال دیں گی۔ لہٰذا یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ بعض انتہائی کم ترقی یافتہ اقوام کے لیے بڑھتی آبادی ہی سب سے بڑا موقع فراہم کرتی ہے.....خواہ کچھ مواقع اور چارۂ کار اور بھی ہوں..... کہ وہ استعماری غلبہ اور انحصار کے بندھن توڑ کر رکھ دیں، ایک قطعی منطقی بات ہے۔ کم از کم ایک صاحب علم [نیل چیمبرلین] ایسا ہے جو بتاتا ہے کہ بڑھتی آبادی کے فوائد میں سے ایک سماجی تنظیم ہے اور یہ وہ فائدہ ہے جو ترقی پذیر سماج کے لیے بالخصوص مفید ثابت ہوتا ہے:

> روایتی معاشرہ میں عامۃ الناس کے ظاہری جمود کا ایک سبب یہ ہے کہ وہ اپنی تکالیف کا اظہار نہیں کرسکتے۔ بلکہ صنعتی معاشروں میں بھی مزدور لیڈروں کے فرائض میں سے ایک یہ ہے کہ عام محنت کش اپنے عدم اطمینان کی جن صورتوں کو اظہار کی مناسب شکل نہیں دے پاتے، یہ لیڈران کا اظہار کریں۔ بڑھتی ہوئی کثافت آبادی، سماجی تنظیم میں تبدیلیوں کو راہ دے کر منظم کوشش میں مزید تنوع اور اختراع کی حوصلہ افزائی کرتی ہے جن کی اہمیت یہ ہے کہ وہ نئے طبقات اور نئے لیڈروں کی پیدائش کا ذریعہ ہوتی ہیں۔[۴۹]

مغرب کی ترقی کثرت آبادی کے باعث ہوئی:

یہ بات آبادی کی بڑھوتری اور اقتصادی ترقی کے نظریات کے مطابق ہے۔ یقیناً جس عہد میں یورپ اور شمالی امریکہ میں آبادی ابلی پڑتی تھی اور اقتصادی نمو کا زور تھا، ٹھیک اسی دور میں مقامی سماجی ادارے اس حد تک

پختہ اور مستحکم ہوگئے کہ ان اقوام میں ایک اجتماعی عزم اور ارادہ سامنے آیا کہ دنیا کی امامت ہاتھ میں لے لیں۔ یہ دلیل بھی دی جاسکتی ہے کہ جیسے ہی آبادی کا زور تھما اور بعض علاقوں میں بڑھوتری کا سلسلہ بالکل رک گیا، سماجی خستگی بھی ساتھ ہی شروع ہوگئی۔ تاریخ کے اسی مرحلہ پر جرائم میں اضافہ، شہری غربت، خاندانی عدم استحکام، نشہ آور ادویات پر انحصار اور ایسی ہی دوسری معاشرتی خرابیوں نے بھی وبا کی شکل اختیار کرلی۔ اگرچہ یہ تسلیم کرنا چاہیے علت اور معلول کا باہمی تعلق یقیناً ایک پیچیدہ سلسلہ ہے۔

پھر ہر وقت سامنے رہنے والا ''صنفی مسئلہ'' ہے۔ اگر ''آبادی کا طوفان'' دیکھ کر بھی منصوبہ بندی اور ترقیات کی وزارتیں پیدائش اطفال میں کمی لانے کے اہداف میں سست گام ہوں، تو صحت سے وابستہ حکام سے بہ تکرار کہا جاتا ہے کہ خواتین کو مانعات حمل کی فراہمی یقینی بنائیں تاکہ انھیں ''فیصلوں'' پر اختیار حاصل رہے۔ لازمی بات ہے کہ اگر کافی تعداد میں خواتین بار بار اور موثر طور پر بچوں کی تعداد کم رکھنے کا اختیار استعمال کریں گی تو تحدید آبادی کے مقاصد بھی حاصل کرلیے جائیں گے، خواہ خصوصی آبادی پالیسیاں موجود نہ بھی ہوں۔ البتہ ریکارڈ یہ بتاتا ہے کہ خواتین کے حقوق کا سوال آبادی کے ایجنڈے پر زیادہ نمایاں نہیں۔ ذرا ذیل میں بیان شدہ تین بنگلہ دیشی خواتین کی کہانیاں پیش نظر رکھیے جنھوں نے بانجھ پن کے پروگراموں سے ''فائدہ اٹھایا'' تھا۔

تیسری دنیا میں عورتوں پر نس بندی کے مظالم:

خون میں ڈوبی ہوئی کہانیاں رونے والا کوئی نہیں:

(الف) آپریشن والے کمرے میں..... مجھے سو جانا چاہیے تھا لیکن میں سو نہ سکی..... میں بے ہوش بالکل نہ تھی۔ چونکہ میں خوفزدہ تھی میں نے درخواست کی کہ آپریشن نہ کیا جائے..... میں ہوش میں رہی اور ہر بات دیکھ اور محسوس کرسکتی تھی۔ میں نے انھیں کہا کہ مجھے بے ہوشی کی مزید دوا دیں تاکہ میں بے سدھ ہوجاؤں۔ ڈاکٹر نے میری التجا نہ سنی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ انھوں نے میرے پیٹ کے نچلے حصے کا آپریشن شروع کر دیا۔ میری نسیں (tubes) باہر نکال کر کاٹ دیں گئیں۔ میں درد سے چیخ پڑی، لیکن ڈاکٹر رکا نہیں۔ بالآخر اس نے کہا ''آپریشن ہوچکا''..... انھوں نے کہا میں خود اتر اور چل کر زمین پر لیٹ جاؤں..... میں نے ساری رات سخت تکلیف اور کرب میں گزاری..... مجھے اب بھی کئی طرح کی پیچیدگیاں لاحق ہیں۔ میں سخت ادرار خوان کا شکار ہوں.....

(ب) میں ربیعہ نامی گاؤں کی دائی کے ہمراہ نس بندی [بانجھ پن] کا آپریشن کرانے گئی۔..... یہ بارہ برس پرانی بات ہے۔ میرا سب سے چھوٹا بچہ ۲ برس کا تھا۔ میں اتنی جلدی نس بندی نہیں چاہتی تھی لیکن میرے خاوند نے دھمکی دی کہ اگر میرا ایک اور بچہ ہوا تو وہ مجھے بھیک مانگنے کے لیے گھر سے نکال دے گا۔ چنانچہ میں اس کا فیصلہ ماننے

پر مجبور تھی۔ میرے خاوند نے ڈھاکہ تک میرا اور میرے سب سے چھوٹے بچے کا جانے کا بندوبست کیا..... میز پر انھوں نے مجھے ایک انجکشن لگایا اور نگلنے کے لیے گولی دی۔ مجھ پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا..... میز پر لیٹے لیٹے میں نے اپنے بچے کے متعلق پوچھا لیکن انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ مجھ پر ایک سفید چادر ڈالی گئی۔ پھر مجھے پتہ نہیں چلا کہ کیا ہوا۔ بعد دوپہر ۵ بجے میں ہوش میں آئی..... میں کچھ کھا نہیں سکتی تھی۔ بس اپنے بیٹے کا پوچھتی رہی..... میرے بیٹے کو ایک دوسرے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ وہ سخت خوفزدہ تھا اور سارا وقت روتا رہا تھا۔ اگلے دن میں واپس گھر چلی آئی۔ میرا بچہ سخت بیمار پڑ گیا اور بعد میں مر گیا۔ مجھے کئی اضافی تکلیفیں شروع ہوگئیں۔..... آپریشن کے بعد انھوں نے مجھے ایک کارڈ دیا کہ میں ماہانہ صابن (دوٹکیاں)، تیل اور گندم لے جایا کروں۔ پہلے مہینہ انھوں نے مجھے بسکٹ بھی دیے، لیکن بس ایک بار۔ اس کے بعد مجھے کبھی کچھ بھی نہیں ملا۔

(ج) جب میرا سب سے چھوٹا بچہ ۶ ماہ کا تھا تو خاندانی منصوبہ بندی کی کارکن کلثوم مجھے آپریشن کی ترغیب دینے آئی۔ میرا میاں دہاڑی دار مزدور تھا اور اس کی آمدنی گھر چلانے کے لیے ناکافی تھی..... خاندانی منصوبہ بندی کی کارکن نے مجھے بتایا کہ وہ میرے لیے راشن کارڈ کا انتظام کر دے گی کہ مجھے ہر ماہ گندم ملتی رہے۔ ایک دن وہ مجھے پاکولا ہسپتال لے گئی..... میں نے دیکھا کہ عورتیں..... خوف سے چیخ چلا رہی ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ڈاکٹر ان عورتوں پر بہت ناراض ہو رہا تھا، بلکہ اس نے ایک کے منہ پر تھپڑ بھی مارا۔ میں نے ڈاکٹر کو بتایا کہ میں آپریشن کے لیے تبھی راضی ہوں گی اگر مجھے پوری طرح بے ہوش کر دیا جائے۔ میں انھیں دھمکی دی کہ اگر میرے ساتھ بھی باقی عورتوں والا سلوک کیا گیا تو میں واپس گاؤں جا کر سب کو بتا دوں گی کہ میں نے آج کے دن کیا دیکھا ہے۔..... اگلی صبح میں ہوش میں آئی۔ میں نے اپنے بیٹے کو روتے سنا۔ میں نے پوچھا کیا اس نے کل رات سے کچھ کھایا پیا ہے؟ حقیقتاً انھوں نے بچے کو کچھ بھی نہیں دیا تھا۔ دس روز بعد میں ٹانکے کٹوانے گئی۔ لیکن ٹانکوں پر زخم ہو گیا تھا۔ ایک ماہ بعد آپریشن والے مقام سے بدبو آنے لگی..... مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ زخم ایک سوراخ سا لگ رہا تھا۔ میرے آپریشن کو ۹ سال ہو گئے ہیں۔ مجھے کئی طرح کی پیچیدگیاں لاحق ہیں۔ اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے بانجھ پن کا فیصلہ کیوں کیا۔ میری آمادگی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ کلثوم نے مجھے بتایا تھا کہ نس بندی کا سرٹیفکیٹ دکھاؤں گی تو مجھے گندم ملے گی۔ میں نے سرٹیفکیٹ لمبے عرصے تک سنبھالے

رکھا لیکن مجھے گندم کبھی نہیں ملی۔[۵۰]

بچے کی ولادت حق ہوگا لیکن ہمیشہ نہیں:

جیسا کہ مذکورہ بالا شہادتوں سے واضح ہو رہا ہے انسانی حقوق وہ پہلا عنصر ہے جو آبادی پالیسی کے نیچے پس کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ عالمی بینک بادل نخواستہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ ولادت اطفال ایک انسانی حق ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ: ''اس کا یہ مطلب نہیں کہ حکومت اس حق کو کبھی غضب نہیں کر سکتی''۔ آخر امریکی شہری خود کیا محسوس کریں گے اگر ''ان'' کی حکومت ''انھیں'' حکم دے کہ وہ کتنے بچے پیدا کریں؟ نہیں، بلکہ وہ اس وقت کیا محسوس کریں گے جب ایک خارجی طاقت..... یوں کہیں جیسے کوئی انڈونیشیا یا کوئی بھارت جس کے کرۂ ارض پر چھا جانے کے بھی پروگرام ہوں..... امریکی سرزمین پر مداخلت کرے اور اس قطعی ذاتی انسانی فیصلے پر اثر انداز ہو؟

آخری، لیکن مستقبل کے حوالے سے شاید اہم ترین سوال دین اور عقیدے کا ہے۔ دنیا کے معاملات میں جیسے جیسے قومی سرحدات کی اہمیت کم ہوتی جائے گی اور نظریاتی صف بندی کو مرکزی مقام حاصل ہوگا مغرب کو ایسے چیلنجوں کا سامنا کرنا ہوگا جو مغرب و مشرق کی سرد جنگ والی چپقلش سے قطعی مختلف ہوں گے۔ ایک بااثر صاحب علم [سیموئیل ہنٹنگٹن] کا اندازہ ہے کہ:

> انسانوں کے درمیان واقع ہونے والی عظیم تقسیم اور نزاعات کا اہم ترین سبب ثقافتی ہوگا۔ دنیا کے معاملات میں قومی مملکتیں بدستور سب سے طاقتور عامل کے طور پر موجود ہوں گی لیکن عالمی سیاسیات کے بنیادی مناقشے ان اقوام اور گروہوں کے درمیان برپا ہوں گے جو ایک دوسرے سے تہذیبی طور پر مختلف ہوں گے۔ تہذیبوں کا ٹکراؤ عالمی سیاسیات پر چھا جائے گا۔[۵۱]

امریکی ادب میں اسلام کا خطرہ:

امریکہ میں موجود اور میسر لٹریچر، جس سے اسلام کے ایک عالمی طاقت کے طور پر ابھرنے کے متعلق مغرب کے اختلال ذہنی کا پتہ چلتا ہے، حیرت انگیز طور پر زیادہ ہے۔ ''ہمیں ایک ایسے خطرے کا مسلسل تجربہ ہو رہا ہے جس کی قوت محرکہ نہ سیاسی ہے نہ اقتصادی، بلکہ اس کی جڑیں انقلابی اسلامی بنیاد پرستی کی تحریک میں پیوست ہیں جو بالعموم امریکہ مخالف ہے اور پرعزم ہے کہ شرق اوسط اور افریقہ میں پھیلتی چلی جائے گی''۔ یہ ''عام خطرات'' نامی کانفرنس کے لیے تیار کردہ ایک رپورٹ کے الفاظ ہیں۔[۵۲] ہر قابل تصور ذریعہ سے تیار شدہ ایسی ہزاروں رپورٹیں، خبرنامے اور سیاسی تجزیے ہیں جن میں قریب قریب یہی ملتا جلتا پس منظر ملے گا۔ اور دنیا کے دونوں کناروں سے یہی دعوے سنے جا رہے ہیں۔ بھارت کا ایک سرگرم مسلمان کہتا ہے کہ مغربی طاقتوں سے اگلا مقابلہ ''بالیقین مسلم دنیا کی طرف سے ہوگا۔ یہ مغرب [شمالی افریقہ] تا پاکستان مسلم اقوام کے ریلے کی شکل میں جدوجہد ہوگی کہ ایک نیا عالمی نظام وجود میں آئے''۔[۵۳]

یہاں آبادی میں تبدیلی کے وسیع مضمرات بالکل واضح ہیں۔ اقوام میں اور عالمی سطح پر سیاسی ارتقاء کا

عمل خاموشی سے لیکن ناقابل تنسیخ انداز میں جاری ہے۔ مشرق اوسط اور جنوبی ایشیا کی ایک چوتھائی سے ایک تہائی تک آبادی، ''سیاسی طور پر بے چین اور سیماب صفت ۱۵ تا ۲۴ برس عمر والے گروپ پر مشتمل ہے اور یہ نتیجہ ہے اس اونچی شرح افزائش کا جو ۱۹۵۰ء اور ۱۹۶۰ء کی دہائیوں میں موجود رہی''۔ یہ ۱۹۸۴ء میں تیار شدہ سی آئی اے کے ایک خفیہ انٹیلی جنس جائزے کے الفاظ ہیں، جس کا صرف ایک حصہ ہی ابھی تک ظاہر کیا گیا ہے۔ مذکورہ جائزہ کہتا ہے کہ یہ نوجوان ''مخالفانہ مقاصد [مثلاً] اسلامی بنیاد پرستی کے لیے بھرتی کا تیار مال ہوگا، جو فی الوقت مسلم نوجوان کے سامنے سب سے بڑی نظریاتی پناہ گاہ ہے.....[۵۴]''۔ ڈولتی پھسلتی دنیا کے تصور کو، جسے کسی بھی لمحے امریکہ کے ہاتھوں سے جھٹک کر چھینا جاسکتا ہے، مغرب کے سیاسی تجزیہ نگار بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ جیسے ایک عرب مخالف کالم نگار لکھتا ہے:

> اسلامیوں کے لیے ''ایک بڑی فتح'' مثلاً مصر کا ان کے ہاتھوں میں پڑنا''، یہ معنی رکھتا ہے کہ پورے خطے میں امریکی اثرات کا تانا بانا ادھڑ کر رہ جائے گا[۵۵]۔

مذہبی گروہ ضبط ولادت کے خلاف ہیں:

مزید براں، ضبط ولادت کی مغربی مہم کی مخالف اسلامی تعلیم کا مطلب یہ بنتا ہے کہ دنیا میں مسلم قوموں کے افراد کی تعداد بڑھتی رہے گی۔ یہ امر آبادی کے ''استحکام'' کے لیے مداخلتی اقدامات کو اور بھی مشکل اور خطرناک بنا دیتا ہے۔ شمال اور جنوب کا ثقافتی اور مذہبی اختلاف کا معاملہ اس حقیقت کے پیش نظر اور بھی معنی خیز ہو جاتا ہے کہ دوسرا بڑا مذہبی گروہ بھی، جس میں رومن کیتھولک اور قدامت پسند عیسائی دونوں شامل ہیں، ضبط ولادت کے مصنوعی طریقوں کے متعلق وہی تصور رکھتا ہے جو مسلمانوں کا ہے۔ اگرچہ یورپی اقوام (اور اس سے بھی کم تر درجہ میں امریکہ) آبادی کنٹرول کرنے کے لیے جو رقوم مختص کرتی ہیں اس پر اس عیسائی مذہبی تصور کا اثر تھوڑا ہی ہوگا، لیکن ان ممالک میں اس کا اثر یقیناً بہت زیادہ ہوگا جو ضبط ولادت کی اسکیموں کا ہدف ہیں۔ پہلے ہی دنیا کے آدھے رومن کیتھولک، لاطینی امریکی ممالک کے باسی ہیں۔ افریقی کیتھولک چرچ دنیا بھر میں سب سے زیادہ پھل پھول رہا ہے اور مستقبل قریب میں یورپ کے مقابلے میں افریقی کیتھولک آبادی زیادہ ہوگی۔

دنیا کی آبادی میں ٹھہراؤ کے مغربی اہداف:

دنیا کی آبادی میں ٹھہراؤ کے جو اہداف مغرب نے مقرر کیے ہیں ان کا حصول ناممکن ہوگا جب تک کہ ضبط ولادت کے طریقوں کا استعمال واضح طور پر مسلمانوں، کیتھولک اور قدامت پسند عیسائیوں اور ان دوسرے گروہوں میں بڑھ نہیں جاتا جو اخلاقی، روحانی اور [یا] ثقافتی بنیادوں پر ضبط ولادت کے موجودہ [مصنوعی] طور طریقوں کو رد کر رہے ہیں۔ اس طرح تحدید آبادی کا مقصد عملاً ایمان وضمیر کے معاملات میں حاکمانہ دخل اندازی اور ثقافتی آزادی میں مداخلت ہے۔ جب روایت پسندی کی ان مختلف شکلوں کو پتہ چلے گا کہ وہ ایک زوردار حملہ کی زد میں ہیں تو انھیں منظم ہونے کی ضرورت کا احساس ہوگا اور وہ حق خود اختیاری کے پلیٹ فارم سے حملہ آور کے خلاف دفاع بھی کر سکتی ہیں۔

جب قاہرہ میں اقوام متحدہ کی ۱۹۹۴ء کی عالمی آبادی کی کانفرنس منعقد ہوئی تو جریدہ ''ٹائم'' نے رومن کیتھولک اور مسلمانوں کے حوالے سے ''مفادات کا ایک غیر معمولی سنجوگ'' کے نام سے رپورٹ شائع کی۔ مقالہ کا ابتدائیہ تھا کہ: ''آبادی اور ترقیات کی عالمی کانفرنس.....شروع ہونے سے پہلے ہی بکھرنے کے خطرے سے دو چار تھی۔ رومن کیتھولک اور مسلمان زعماء کے درمیان مفادات کی غیر معمولی ہم آہنگی نے اقوام متحدہ کی اس کانفرنس کے منتظمین کو دفاع پر مجبور کر دیا.....[۵۶]''۔ دنیا کے دو بلین مسلمانوں اور کیتھولک عیسائیوں کے مابین تدبیر کے میدان میں اتحاد جس کے تحت دونوں گروہ باہمی مفادات کے دفاع میں سرگرم عمل ہوں، تحدید آبادی کی راہ کا سنگ گراں ثابت ہوسکتا ہے۔ ایسا کم از کم نظری طور پر بالکل ممکن ہے۔

آبادی کم کرنے کی راہ میں رکاوٹ: مذہب

اس سے مغرب کے آبادی کے پروگراموں کو ایک مشکل صورتِ حال کا سامنا ہے۔ ہر شخص کی مذہبی آزادی بین الاقوامی قانون کی ایک شق ہے: ''مذہب اور عقیدے کے اظہار کی آزادی پر صرف وہی قدغنیں لاگو ہوں گی جو قانون میں باقاعدہ تجویز کی گئی ہوں، اور جو تحفظ عامہ، امن و امان، صحت، اخلاقیات یا دوسروں کی آزادی اور بنیادی انسانی حقوق کے لیے ضروری ہوں[۵۷]''۔ یہ بیان اقوام متحدہ کے ''مذہب اور عقیدہ کی بنیاد پر برتے گئے عدم برداشت اور امتیاز کے خاتمہ کے اعلامیہ'' میں شامل ہے۔ اسی وجہ سے اقوام کی حاکمیت..... اور اس میں اسلامی ممالک میں بھی شامل ہیں..... ان من موجی آبادی پالیسیوں سے مامون و محفوظ ہے جو مغربی لیڈر صاحبان زبردستی تھوپنا چاہتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی ۱۹۶۶ء کی ایک قرارداد کہتی ہے: ''اس اصول کا خیال رکھا جائے کہ اقوام کا یہ حاکمانہ اختیار کہ وہ آبادی پالیسیاں مرتب اور نافذ کریں، افرادِ خاندان کی تعداد کے ضمن میں خود متعلقہ خاندان کے آزادانہ اختیار کے تابع ہے''[۵۸]۔

نسل کشی ممنوع ہے لیکن نس بندی جاری ہے:

کچھ اور بھی ایسے تکلیف دہ معاملات ہیں جو کسی مرحلہ پر تحدید آبادی کے اداروں کے لیے مشکلات پیدا کر سکتے ہیں۔ بہ ظاہر تو یہی لگتا ہے کہ سیاسی لیڈر، آج تک امداد دینے والوں کی طرف سے مسلط کی گئی تحدید آبادی کی پالیسیوں کو ٹالنے میں ناکام رہے ہیں، لیکن وہ یہ کوشش کر سکتے ہیں کہ ایک زیادہ متعلق بین الاقوامی معاہدہ کا حوالہ دے کر شرکت کار سے گریز کی راہ نکال لیں۔ یہ ۱۹۴۸ء کا نسل کشی کی ممانعت کا معاہدہ ہے جو عام طور پر Convention on the Prevention and Punishment of the Crime of Genocide کہلاتا ہے۔ اس معاہدہ کے تحت نسل کشی انسانیت کے خلاف جرم ہے جو بین الاقوامی قانون کے تحت مستوجب سزا ہے۔ اس میں نسل کشی کے اقدامات کی واضح ممانعت ہے بلکہ نسل کشی میں [بالواسطہ] شرکت، اور کسی کو ایسی حرکت پر اکسانا یا سازش کرنا بھی قابل سزا ہے۔ کنونشن کے تحت نسل کشی کی تعریف میں من جملہ یہ بھی ہے کہ: ''وہ اقدامات جن کے تحت کسی لسانی، نسلی یا مذہبی گروہ کو کلیتًا یا کسی حد تک مٹانا مقصود ہو''۔ آرٹیکل II کے

الفاظ میں ان اقدامات میں یہ بھی شامل ہے کہ ''کسی گروہ کے افراد قتل کر دیے جائیں، یا ایک گروہ کے افراد کو سخت جسمانی یا ذہنی اذیت اور نقصان پہنچایا جائے، کسی گروہ کو ایسے حالات سے دوچار کر دیا جائے کہ وہ کلیتاً یا اس کا ایک حصہ تباہ ہو جائے، ایک گروہ کے بچوں کو جبراً دوسرے گروہ میں شامل کر دیا جائے، یا ایسے جبری اقدامات کیے جائیں جن کا مقصد کسی گروہ میں ولادتِ اطفال کو روکنا ہو''[۵۹]۔

تنقید کا کوئی فائدہ نہیں:

یہ سوچنا یقیناً نری سادگی ہوگی کہ امریکی اصحاب اقتدار اس طرح کی تنقید کے سامنے سرخم کر دیں گے۔ مغرب کی طاقت ور اقوام نے بین الاقوامی قانون کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ طریق انصاف تو ان کی نظر میں اور بھی بے قدر چیز ہے۔ لہٰذا امریکہ اور اس کے اتحادی ایٹمی ہتھیاروں کے انبار لگا کر بھی اس خوف سے تھر تھر کانپ رہے ہیں اور توقع کرتے ہیں کہ باقی دنیا بھی اسی طرح خوف زدہ ہو جائے کہ کہیں شمالی کوریائی، پاکستانی یا عراقی یہ صلاحیت حاصل نہ کر لیں۔

مالتھوسی پروپیگنڈہ الٹا ہو گیا ہے:

آخری تجزیہ میں تحدید آبادی کا تعلق اصلاً قوت اور اختیار سے ہے۔ اس پر مذاکرات ممکن نہیں اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بیرونی دنیا میں بڑھتی آبادی کے جواب میں جو کچھ کیا جا رہا ہے اس کی مثال سرد جنگ کی ابتداء میں کمیونزم کے خلاف وسائل کی فراہمی اور استعمال میں ہی ملتی ہے۔ گزشتہ دہائی یا کم وبیش عرصہ میں تحدید آبادی کے پروگرام کو جو حد درجہ اہمیت دے دی گئی ہے اس سے یہ حقیقی تشویش ظاہر ہو رہی ہے کہ اگر ''تیسری دنیا'' میں ضبط ولادت پر تیزی سے عمل نہ ہوا تو سارا پروگرام ناکام بھی ہو سکتا ہے۔ تقریباً نصف صدی ہو رہی ہے کہ فرانسیسی ماہر آبادیات الفریڈ ساوی (Alfred Sauvy) نے تنبیہ کی تھی کہ مالتھوسی پروپیگنڈا الٹا گلے پڑ سکتا ہے۔ اس کا کہنا یہ تھا کہ ''بے بہا آبادی'' کی مضحکہ خیز تصویر کشی جو کم شرح آبادی والے معاشروں کے سامنے آ رہی ہے اس کے اثرات بیرونی دنیا کی بہ نسبت خود ان [مغربی] ملکوں میں زیادہ گہرے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ جو کچھ سوچا جا رہا ہے نتیجہ اس سے قطعی الٹ نکل سکتا ہے۔ اس کا نظریہ جو فی الوقت کافی مقبول ہے، بتاتا ہے:

دوسروں کی بڑھتی ہوئی آبادی خوف طاری کرتی ہے:

> یہ خوف کہ دوسرے اس رفتار سے بڑھ رہے ہیں [ہماری] قوت حیات میں کمی لاتا ہے۔ ایسے میں وہ قوم کہ آبادیاتی بڑھاپے نے پہلے ہی جس کا رس نچوڑ لیا ہے، دوبارہ مالتھس کے نظریاتی طریق عمل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اس دوران وہ آبادیاں جن کی وجہ سے یہ خوف پیدا ہوا، غیر متاثر رہتی ہیں..... نصیحت کنندگان کے ڈراوے پہلے سے سر تسلیم خم کرنے والوں [یعنی مغربی معاشروں] کو اپنی تعداد ایک کے بعد دوسری نسل میں مزید کم کرنے کے خطرے سے دوچار کر دیتے ہیں۔ چنانچہ قوموں، علاقوں

اور سماجی طبقات وغیرہ میں تولیدی سطح کا فرق مزید کچھ بڑھ جاتا ہے حالانکہ اصل ہدف تو اس فرق کو کم کرنا تھا[۶۰]۔

اگر آبادی نہ رکی اور نفرت بڑھ گئی پھر:

اس امر کے باوجود کے تحدید آبادی کے عزم اور ارادوں میں بے انتہا پھیلاؤ آیا ہے (صنعتی دنیا کا تقریباً ہر ملک اس میں شریک ہے)، اور ایسا ہی ترقیاتی امداد اور قرض کے جابرانہ ہتھکنڈوں کی کیفیت ہے، پھر بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ تحدید آبادی کا منصوبہ کامیاب ہوگا۔ کل کی دنیا پر ایک اور تبصرہ کچھ اس قسم کا ہے:

> یک قطبی (unipolar) سے کثیر قطبی دنیا کی طرف لے جانے والا مرحلہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لیے چیلنج ہوگا کہ وہ ایک ایسی پالیسی وضع کرے جو ایک طرف اس کے نسبتی زوال کو روکے اور ساتھ ہی ان مواقع کا خاتمہ کرتی جائے جن سے دوسری مملکتوں کو امریکہ کے خلاف متوازن ہونے کی تحریک ملتی ہو۔ نسبتی زوال کے اسباب داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی۔ اس کا مقابلہ ایسے اقدامات کے ذریعے ہوسکتا ہے جن کا نشانہ کوئی ایک یا دونوں طرح کے اسباب ہوں۔ اگر امریکہ کی کوشش یہ ہو کہ اپنی نسبتی طاقت کو برقرار رکھنے کے لیے وہ نئی عظیم قوتوں کے ظہور کو روکنے کے لیے زور لگاتا رہے تو ایسا کرنا اس کے لیے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ اس طرز عمل سے امریکہ کی بے روک طاقت کے کینہ وراثرات کے متعلق دوسروں کے خدشات بڑھ سکتے ہیں، جس کا امکانی نتیجہ یہ ہوگا کہ نئی عظیم طاقتوں کے عروج کا عمل تیز تر ہو جائے گا۔[۶۱]

لہٰذا سوال یہ نہیں کہ ''تحدید آبادی آخر کیوں؟''..... بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ آیا اس کے مطلوبہ نتائج اتنے کم سے کم وقت میں حاصل کیے جا سکتے ہیں کہ ''نئی'' طاقتوں کے ظہور و عروج کی راہ روکی جا سکے۔ اس سے بھی زیادہ اہم سوال ایک اور ہے: اگر تحدید آبادی کا مشن آبادی کے تموّج کو روکنے میں کامیاب نہ ہوا اور نتیجہ صرف نفرت اور بے زاری کی شکل میں سامنے آیا، تب کیا ہوگا؟

حوالہ جات

[1] Listervelt Middleton, "When Hell Freezes Over", South Carolina Educational TV (SETV), 1987۔ مڈلٹن ٹی وی پروگرام ''برائے عوام'' کا میزبان ہے۔

[2] Statistics from Bureau of the Census and published in The World

Almanac and Book of Facts, 1996, ed. Robert Famigheti (Mahwah, N.J. 1995), 384-385.

[3] Operations Coordinating Board, "Outline Plan of Operations for Latin America", 10 Jan. 1957, 3.

[4] U.S. Army Conference on Long Range Planning, reprinted as "Population Change and National Security", *Foreign Affairs 70,* no.3 (Summer 1991), p.117.

[5] Ibid., 115-116.

[6] Ibid., 128-129.

[7] National Security Council, *Implications of World Population Growth for U.S. Security and Overseas Interests* NSSM-200, 10 December 1974, 22.

[8] Ibid.,

[9] Ibid., 21.

[10] Katherine Organski and A. F. K. Organski, *Population and World Power* (New York 1961), 17.

[11] Ibid., 16.

[12] Keneth A. Kessel, *Strategic Minerals: US Alternatives* (Washington, D.C., 1990), 189.

[13] Ibid., 199.

[14] Ibid., 2200.

[15] David D. Dabelko and Geoffery D. Dabelko, "The International Environment and U.S. Intelligence Community", *International Jounral of Intelligence and Counterintelli gence6,* 1(Spring 1993): 22.

[16] NSSM-200, 37.

[17] Ibid., 43.

[18] Cited in *Ghana Review* an electronic compilation of national news

reports distributed via the internet, 20 January 1995.

[19] Peter J. Donaldson, *Nature Against US: The United States and The World Population Crisis 1965-1980* (Chapel Hill, N.C., 1990), 26.

[20] United Nations Population Fund, *The State of World Population,* 1991 (New York, 1991), 34.

[21] World Bank, World Development Report 1990 (Oxford, 1990) 82.

[22] National Research Council, *Population Growth and Economic Developments: Policy Questions* (Washington D.C. 1986), 91.

[23] United Nations, *World Population Policies* (New York, 1987), 1:218, 220.

[24] Ibid.

[25] Ibid. 3:136.

[26] Ibid.

[27] Ibid., 2:16

[28] Ibid. 2:24

[29] See for example, Bernard Berelson of the Population Council, "Beyond Family Planning", Proceedings of the Pakistan International Family Planning Conference, Dacca, 1996.

فی الحقیقت عالمی بینک کے صدر رابرٹ میکنامارا (سابق امریکی سیکریٹری دفاع) کے متعلق رپورٹ ہے کہ انھوں نے ۱۹۷۶ء میں بھارت میں وزارت صحت خاندانی منصوبہ بندی کا دورہ کیا۔ یہ وہی دن تھے جب زبردستی کی نس بندی زوروں پر تھی۔ دورے کا مقصد بھارتی حکومت کو مبارک باد دینا تھا کہ آبادی کے مسئلہ کے حل کے لیے اس نے پختہ سیاسی عزم و ارادے کا مظاہرہ کیا۔ میکنامارا کے دورے کا حوالہ Robert Whelan نے دیا ہے۔ دیکھیے:
Choices in Childbearing: When Does Family Planning Become Population Control? "New Scientists"(لندن،۱۹۹۲ء)، ۲۹، سب سے پہلے اس کا ظہور ۵رمئی ۱۹۷۷ء میں ہوا۔

[30] Whelan, Choices in Childbearing, 29.

[31] The Population Council News Release, "Impact of Family Planning

Programs in Developing Countries" is Assessed in New Study by Population Council Researchers, 24 January 1991.

[32] See Morton Mintz, "The Dalken Shield: A Troubled Legacy", *Washington Post,* 7 April 1985, Al.

[۳۳] ''ایڈ'' کے آفس آف پریس ریلیشنز کا ایک پریس ریلیز ("Highlights of USAID Population Program") جو۱۹۸۹ء میں تیار ہوا اور کم از کم ۱۹۹۰ء کے ابتدائی مہینوں میں تقسیم ہوا، بڑے فخر سے دعویٰ کرتا ہے کہ ترقی پذیر دنیا میں زیر استعمال مانعات حمل کا تین چوتھائی ''ایڈ'' مہیا کرتا ہے، جس میں ۵ کروڑ سے زائد تو صرف IUDs ہوتی ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں ''ایڈ'' کے مرکز برائے آبادی نے انٹرنیشنل پلینڈ پیرنٹ ہوڈ فیڈریشن کو ایک خط لکھا جس میں گروپ کو مشورہ دیا گیا تھا کہ ''ہمارے خیال میں اکثر و بیشتر خاندانی منصوبہ بندی پروگرام سروس کے لیے کئی طرح کی طبی رکاوٹیں کھڑی کر دیتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس سے پروگرام کی اثر اندازی کے لیے مشکل پیدا ہوتی ہے.....'' ''ایڈ'' کے اس خط میں جس کا حوالہ MS میگزین (نومبر، دسمبر ۱۹۹۱ء، ۱۵) میں دیا گیا ہے، کچھ ''زیادہ ہی نصیحتیں'' پلائی گئی ہیں اور ''طبی رکاوٹوں'' کی فہرست میں جس سے پاپولیشن کنٹرول پراجیکٹوں کی رفتار سست پڑتی ہے ''دقیانوسی طبی سوچ'' شامل ہے۔

[۳۴] دیکھیے ''نور پلانٹ کی قیمت ہے ۲۰۰۰ ٹکہ۔ تم اسے اتار نہیں سکتے۔ بنگلہ دیش میں نور پلانٹ کے تجربہ میں گاہک کے بازو سے اتارنے سے انکار کر دیا جاتا ہے۔'' Issues in Reprodiuctuve and Genetic Engineering 4 no. 1 (1991): 45-46 پہلے پہل تیار کردہ از ہیومن رائٹس گروپ UBING (۳/۵ بابر امہان پور، رنگ روڈ شیمولی، ڈھاکہ ۱۲۰۷ بنگلہ دیش)

[35] See Barbara Ehrenreich, Mark Dowie and Stephen Minkin, "The Change: Genocide, The Accused: The US Government", *Mother Jones,* November 1979, 26-38.

[36] See Associated Press, "Birth Control Vaccine Is Reported in India", *Boston Globe,* 10 October, 1992.

[37] See "Prospects for Non Surgical Female Sterilization", *International Journal of Gynaecology and Obstetrics 29,* no.1 (May 1989): 1-4

[38] See Robert G Wheeler "Delivery Systems for Applying Quinacrine as a Tubal Closing Agent" in Female Trancevical Sterilization: Proceedings of an International Workshop on Non-Surgical Methods

for Female Occlusion, Chicago, Illionois June 22-23, 1982, ed. G. I. Zatuchni et al. (New York 1983) 112-113.

[39] Richard Nixon quoted in Graham Hancock, *Lords of Poverty* (New York, 1989), 71.

[40] See fact sheet distributed in February 1990 by AID Office of Press Relations, "Highlights of USAID Population Programs"

[41] See Rep. Jim Mc Dermott, Co-Chair, International AIDS Task Force, "Report to the Speaker of the House of Representatives: The AIDS Epidemic in Asia" 6 June 1991.

[42] *International dateline,* May 1992. Internatinal Dateline is the newsletter for Population Communications *International,* New York.

[43] Gregory D. Foster et al. Global Demographic Trends to the Year 2010: Implications for U.S. Security *"The Washington Quarterly 2* no.2 (Spring 1989): 23.

[44] Ibid. 23-24.

[45] Agnes Riedmann, *Science that Colonizes: A Critique of Fertility Studies in Africa* (Philadelphia, 1993) 3.

[46] Foster et al., "Global Demographic Trends", 5.

[47] U.S Army Confrence on Long Range Planning reprinted as "Population Change and National Security, *Foreign Affairs* 70, no.3 (Summer 1991): 21

[48] Ibid. 1129.

[49] Neil W. Chamberlain, *Beyond Malthus: Population and Power* (New York - London, 1970), 15-52.

[۵۰] بنگلہ دیش کی ان تین خواتین کی کہانیاں ان تجربات سے لی گئی ہیں جو عورتوں کو فیملی پلاننگ کے ضمن میں بنگلہ دیش کے ہسپتالوں میں پیش آئے۔ یہ [ریکارڈ شدہ ٹیپ سے] لفظاً حرفاً منتقل کر کے ''ناری گرنتھا پرابھارتا'' *Violence of Population Control* (Dhaka B.D., 1999). میں شائع کی گئیں۔

[51] Samuel P. Huntington, "The Clash of Civilizations", *Foreign Affairs* 72, no.3 (Summer 1993): 22.

[52] Government Accounting Office Pagers Prepared for GAO Conference on Worldwide Threats, GAO-NSIAD-92-1045 (16 April 1992), 133.

[53] M. J. Akbar quoted in Huntington, "The Clash of Civilizations",32.

[54] Central Intellegence Agency, *Middle East-South Asia: Population Problems and Political Stability,* February 1984 (partially declassified January 1995), 3

[55] Charles Krauthamer, "Iran: Orchestrator of Disorder, *"The Washington Post,* January 1993, A 19.

[56] Christian Gorman, "Clash of Wills in Cairo *"Time,* 12 September 1994, 56.

[57] Declaration on the Elimination of All Forms of Intolerance and Discrimnation Based on Religion or Belief, U.N. General Assembly Resolution 36/55, 25 November 1981.

[58] United Nations General Assembly Resolution 2211 (XXI), 17 December 1966.

[59] Convention on the Prevention of the Crime of Genocide, United Nations General Assembly, 9 December 1948, Emphasis added.

[60] Alfred Sauvy, "Le Faux Probleme de la population mondiale, *"Population* 4 no.3 (Spring September 1949), reprinted in English in *Population and Development Review* 16 no. 4 (December 1990), 765.

[61] Christopher Layne, "The Unipolar Illusion: Why New Great Powers will Emerge", *International Security* 17, no.4 (Spring 1993): 45.